سیرتِ طیبہ کے چند تابندہ نقوش

بشیر انصاری ایم اے

چھٹی صدی عیسوی کے نصف آخر میں جب دنیا روحانی و اخلاقی اور معاشرتی و تمدنی طور پر انحطاط کی تاریکیوں میں گھر چکی تھی اور تمام مذاہب عالم تنزل کی اس منزل پر جا چکے تھے۔ جہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے۔ تہذیب قدیم کی آخری کرن ٹمٹا رہی تھی۔ انسانیت فساد و شر، ضلال و گمراہی اور انتشار و افتراق کے کنارے کھڑی تھی۔ پوری دنیا میں اضطرابات و فتن کا ایک طوفان برپا تھا۔ سکون و اطمینان عنقا ہو چکے تھے اس تیرہ و تار فضا میں ایک روشنی کا ظہور ہوا جس نے تاریکی کو دور کیا اور سسکتی ہوئی انسانیت کو درخشاں و تابناک مستقبل کی راہ دکھلائی یہ سن عیسوی کی ۵۷۵ ویں خزاں تھی۔ جب خاندان قریش کی ایک خاتون کے گھر مکہ مکرمہ میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جنم لیا۔ آپ کی تشریف آوری سے خزاں دیدہ چمن میں بہار آ گئی۔ کفر و ضلالت کے بادل چھٹ گئے۔ رُخِ انسانیت پر تابندگی پھیل گئی۔ دراصل یہ ساعت سعید انسانیت کی معراج تھی

اس وقت عرب کے اخلاقی، سماجی، اعتقادی اور مذہبی و روحانی حالات نہایت ناگفتہ بہ تھے وہاں نہ کوئی اتحاد نہ شائستگی اور نہ نظم و نسق موجود تھا۔ عرب کے لوگ بتوں اور مظاہر فطرت یعنی سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش کے علاوہ اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کے آگے سجدہ ریز تھے۔ اِن کے مشرکانہ افعال کا عالم یہ تھا کہ خانہ کعبہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف خدائے واحد کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا وہ سینکڑوں بتوں کا مرکز بن چکا تھا۔ یہودی بھی بتوں کی پوجا کرتے تھے اور اپنے خودساختہ معبودوں کو بیت اللہ میں لا کر رکھتے تھے۔ عیسائیوں نے حضرت مریمؑ کا ایک الیسا بُت بنا رکھا تھا۔ جس کی گود میں حضرت مسیحؑ کا

مجسمہ بنا ہوا تھا۔ اور اسے بھی خانہ کعبہ میں سجا دیا گیا۔ اس وقت عرب کے تمام مذاہب میں بت پرستی عام تھی۔ اسی لئے خانہ کعبہ کے در و دیوار بتوں سے آراستہ تھے۔ اِن بُت پرستوں کے علاوہ وہاں کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو لا مذہب تھے اِن کو صابئین کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنی آزاد خیالی میں بت پرستوں کا خوب تمسخر اڑایا کرتے تھے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن میں دینِ حنیف کی ہلکی سی جھلک موجود تھی وہ بتوں سے کنارہ کشی اور انکی پرستش سے بیزار تھے مگر عملی طور پر بے بس اور لاچار تھے۔

اخلاقی طور پر عربوں کی سب سے بڑی بُرائی رسم دختر کشی تھی یعنی عرب اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ لڑکی کو اپنے لئے باعثِ ذلت شمار کیا کرتے تھے۔ جب کہ خود انھیں عورت نے جنم دیا تھا۔ یہ ان کی خام خیالی تھی کہ بیٹی کی پیدائش ان کے سرِ غرور کو نیچا دکھائے گی اور دوسروں کی نگاہوں میں ذلیل کرے گی۔ لڑکی کی پیدائش اِن سب کے لیئے باعثِ شرم و عار تھی۔ وہ لڑکیاں جو ان کے دستِ جور و ستم سے بچ جاتی تھیں اِن سے وہ ظالمانہ سلوک کیا جاتا تھا جس کے تذکرے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عرب کے لوگ شراب کے رسیا۔ زنا کے عادی، قمار بازی اور موسیقی کے دلدادہ تھے، گانے بجانے والی عورتوں کی اخلاق سوز حرکتیں ہر جگہ دیکھی جا سکتی تھیں لیکن اہلِ عرب کو یہ حیا سوز ادائیں بیحد پسند تھیں۔ اور اِن عورتوں کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ایسی عورتوں سے بر سرِ عام بیاہ رچاتے تھے۔ کثرت ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ کنیزوں کے لیئے یہ رواج تھا کہ وہ اپنے مالک کی وفات کے بعد خاوند کی اولاد کی ملکیت تصور ہوتی تھیں۔

یہ کہنا غلط ہوگا کہ عرب کے لوگ صفاتِ حسنہ سے یکسر عاری تھے۔ ان میں کچھ ایسی صفات موجود تھیں جو ان کے انسانی جوہر کو نمایاں کرتی تھیں۔ مہمان نوازی۔ شجاعت، سخاوت قبائلی وفاداری۔ سلسلہ نسب کی حفاظت اور شعر و ادب کا اونچا مذاق اِن کی سیرت کے قابلِ ذکر نقوش ہیں۔ اِن خصوصیات کے باوصف اِن میں اس قدر بہیمانہ صفات پائی جاتی تھیں جن کے سامنے اِن چند اعلیٰ صفات کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

عرب کے لوگ مختلف قبائل اور قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور ہر وقت آپس میں بر سرِ پیکار رہتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر تلواریں نیام سے باہر نکل آتی تھیں۔ غصہ نفرت اور جذبۂ انتقام انکی سرشت میں داخل تھا۔ لڑائی جھگڑا اور معمولی باتوں پر قتل و غارت ان کے

لئے معمولی بات تھی، عرب خود سر اور مختار قسم کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا کوئی ایسا باختیار قسم کا مرکز نہ تھا جو کسی قانون اور ضابطے کو عملی زندگی میں نافذ کر سکے۔ عرب کی حالت کا یہ اجمالی نقشہ تھا۔ انگلستان جو آج علم وفن اور تہذیب و سیاست کا امام بنا بیٹھا ہے اس وقت آگ اور خون کی ہولی کھیل رہا تھا۔ اٹلی تاریخ کی پر عظمت مملکت روما کا گہوارہ اپنی تہذیب کی آخری سانسیں گن رہا تھا۔ یونان اپنی قدیم علمی برتری سے تہی دامن ہو چکا تھا۔ سیاسی طور پر وہ روماء شرقی کے زیر نگیں تھا اور اس کی علمی قندیل بھی بجھ چکی تھی۔ ایشیاء بدامنی، افراتفری اور اضطراب کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ الغرض تمام دنیا پر وحشت و بربریت اور انتشار و افتراق کے گھٹا ٹوپ بادل چھا چکے تھے۔ اقوام عالم کی اخلاقی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ انہی حالات میں وہ روز سعید بھی آپہنچا جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، خداوند عالم کا پیغام لے کر دنیا کے سامنے تشریف لائے اور آپؐ نے اپنے حق آفریں پیغام سے دنیا میں ایک ایسا انقلاب برپا کیا جس کا اعتراف امریکہ کے مشہور مصنف اور دانشور واشنگٹن ارونگ نے اس طرح کیا ہے۔

"بالآخر وہ وقت آگیا جب متفرق قبائل کو ایک ہی قبیلے کی صورت میں متحد ہونا پڑا اور ان کے دلوں میں ایک مشترکہ نصب العین کا جذبہ بیدار ہونے لگا جبکہ ایک ایسی اولوالعزم شخصیت ان کے درمیان ظہور پذیر ہوئی جس نے ان بکھرے ہوئے اجزاء کی شیرازہ بندی کی اور ان میں ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا جس کا محرک اس کا والہانہ جوش اور شجاعانہ جذبہ تھا۔ اس عظیم شخصیت نے صحرائے عرب کے ایسے راہنما کی حیثیت اختیار کر لی جس نے روئے زمین کی حکومتوں کو تہ و بالا کر دیا"[۱]

کتاب وحکمت کے ذریعے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو باہم شیر وشکر کر دیا۔ ان میں اتفاق واتحاد پیدا ہو گیا۔ قرآن مجید نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کنتم اعداءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخواناً آپؐ نے ان میں مساوات اور اخوت و مروت کی روح پھونک دی۔ عربی اور عجمی، کالے اور گورے کی تفریق ختم کر کے تقویٰ اور طہارت کو معیار فضیلت قرار دیا۔ صحابہ کرام نے عہد جاہلیت کی تمام رسومات بد سے یکسر کنارہ کشی اختیار کر لی اور ان میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی۔ اور اس نئی لہر نے ان کے زاویہ نگاہ میں صحت مند انقلاب برپا کر دیا۔ اور اس انقلاب نے پوری زندگی کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ زندگی کے ہر پہلو اور ہر رخ

ہیں خوشگوار تبدیلی رونما ہوئی ۔ اسی کیفیت کا نقشہ مصنف محسن انسانیتؐ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے

"انبیاء کرام کے سوا کوئی عنصر تاریخ میں ایسا دکھائی نہیں دیتا جو انسان کو، پورے کے پورے انسان کو، اجتماعی انسان کو اندر سے بدل سکا ہو ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ آپ کی دعوت نے پورے کے پورے انسان کو اندر سے بدل دیا اور صبغۃ اللہ کا ایک ہی رنگ مسجد سے لے کر بازار تک، مدرسے سے لیکر عدالت تک اور گھروں سے لیکر میدان جنگ تک چھا گیا ۔ ذہن بدل گئے ۔ خیالات کی رو بدل گئی نگاہ کا زاویہ بدل گیا ۔ عادات و اطوار بدل گئے ۔ رسوم و رواج بدل گئے ۔ حقوق و فرائض کی تقسیمیں بدل گئیں ۔ خیر و شر کے معیار اور حلال و حرام کے پیمانے بدل گئے ۔ اخلاقی قدریں بدل گئیں ۔ قانون و دستور بدل گئے ۔ جنگ و صلح کے اسالیب بدل گئے اور تمدن کے ایک ایک ادارے اور ایک ایک شعبے کی کایا پلٹ گئی ۔ اور اس پوری کی پوری تبدیلی میں جس کا دائرہ ہمہ گیر تھا ۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک خیر و فلاح کے علاوہ کچھ نہیں ملتا ۔ ہر طرف بناؤ ہی بناؤ ۔ تعمیر ہی تعمیر اور ارتقاء ہی ارتقاء ہے ۔ درحقیقت محسن انسانیتؐ کے ہاتھوں انسانی زندگی کو نشاۃ ثانیہ حاصل ہوئی اور حضورؐ نے ایک نظام حق کی صبح طلوع کی ۔ اسی بنیادی تبدیلی کی کیفیت حضرت جعفر طیارؓ نے بھی بیان فرمائی ہے حضرت جعفر طیارؓ جو ان نوے مسلمانوں میں شامل تھے جنھوں نے قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آکر مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے حبشہ میں پناہ لی تھی ۔ انھوں نے ان تبدیلیوں کا اجمالاً نقشہ کھینچا ہے ۔ جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے صحابہ کرام میں پیدا ہوئی تھی ۔ حضرت جعفر طیارؓ نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا ۔ اے بادشاہ ہم جہالت میں مبتلا تھے ۔ بتوں کو پوجتے تھے ۔ نجاست سے آلودہ تھے ۔ مردار کھاتے تھے اپنے ہمسایوں سے برا سلوک کرتے تھے ۔ طاقتور، کمزوروں کی دولت ضائع کر دیتے تھے ۔ ایسی حالت میں خداوند عالم نے ہم میں سے ایک بزرگ ہستی کو مبعوث فرمایا جس کے حسب و نسب، سچائی ۔ دیانتداری ۔ تقویٰ اور پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے ۔ اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ اکیلے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ ۔ بتوں ۔ اور پتھروں کی پرستش سے انھوں نے منع فرمایا ۔ جن کی پرستش

ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ہمیں نماز کے احکام بتائے۔ صدقہ کی تعلیم دی اور روزہ رکھنے کا حکم دیا جبکہ ہم بیمار یا سفر پر نہ ہوں اور سچ بولنے کا حکم دیا۔ اپنے زیردستوں کی حفاظت کی ذمہ داری ہم پر ڈالی۔ اپنے رشتہ داروں سے شفقت اور ہمسایوں سے اچھے برتاؤ کا حکم دیا ہم بُرے کاموں سے باز آگئے۔ آوارگی اور خونریزی سے رک گئے اس نے ہمیں جھوٹی شہادت سے منع فرمایا۔ اور یتیموں کو انکی جائیداد سے محروم نہ کرنے کا حکم دیا۔ عورتوں پر تہمت لگانے سے منع فرمایا۔ ہم نے ارشادات کو دل وجان سے قبول کیا۔ ہم ان کی صداقت پر ایمان لے آئے۔ ہم نے ان تمام احکام کی پیروی کی جو خداوند عالم نے اُن کے ذریعے بتلائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے یہی باتیں اس کا اجمالی خاکہ ہیں جو پیغمبر علیہ السلام نے ہم کو بتلائیں۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانیت پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھوں نے فاطر کائنات اور اس کی کرم فرمائیوں سے انسانیت کا رشتہ استوار کیا۔ وہ انسان جو شجر وحجر کا کو اپنا خدا سمجھ بیٹھا تھا۔ چاند اور ستاروں کی پرستش کرتا تھا۔ اسے اپنی برتری اور عظمت سے آگاہ کیا اور بتایا کہ تو شجر وحجر کے آگے سجدہ ریز کیوں ہے۔ جبکہ تو خود مسجود ملائک ہے۔ تو خداوند عالم کی افضل ترین مخلوق ہے۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ تیری خدمت کے لئے مامور ہے چاند، ستارے، پتھر، شجر اور سورج تو سب تیرے لئے بنائے گئے ہیں۔ انسان تو خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کے آگے سجدہ ریز ہونا۔ انسانیت کی توہین ہے اور خالق کائنات کی پرستش کرنا انسانیت کی معراج ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا سب سے اہم اور بنیادی اصول عقیدۂ توحید تھا۔ خدا کی وحدانیت کے اس ناقابلِ تردید عقیدہ کے بارے ایک مغربی مفکر پروفیسر ہٹی کو بھی یہ کہنا پڑا کہ اسلام کی سب سے بڑی علت غائی ایک غیر مرئی ہستی پر ایمانِ کامل میں پوشیدہ ہے۔ اس مذہب کے پیروؤں کو ایک ایسے اطمینان کا احساس اور تسلیم و رضا کا جذبہ حاصل ہے۔ جو دوسرے مذاہب کے پیروؤں میں نہیں پایا جاتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی ممالک میں خودکشی کے واقعات بہت ہی کم پائے جاتے ہیں۔

جمہوریت کا یہ شعلہ اور انسانیت کا یہ ذہنی ارتقاء پادریوں اور حکمرانوں کے استبداد کے

خلاف ایک جہاد تھا ۔ جبکہ ظالم لوگوں اور جابر وسفاک حکمرانوں کے ناقابل فہم استبداد و بربریت کے بوجھ سے انسانیت کراہ رہی تھی ۔ اور ان کے مستقل اغراض ومفادات کی خاطر انسانیت کے مفادات وحقوق بری طرح پامال ہو رہے تھے ۔ آخرکار انھوں نے ذات ونسل اور موروثی استحقاق کے بتوں کو پاش پاش کر دیا ۔ اور پاپائیت کے خاتمے ایک اہم کارنامہ سرانجام دیا انھوں نے بنی نوع انسان پر بڑا احسان کیا اور ایسے طبقہ کے تقدس کی اجارہ داری کو یکسر ختم کر دیا جو خدا اور بندے کے درمیان حائل تھی ۔ ؎

کیوں خالق ومخلوق میں حائل رہیں پردے ۔ پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو !

بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کے مکمل خاتمہ کے لئے بتدریج موثر اقدامات کیئے اور غلامی کی یہ لعنت صرف عرب میں ہی رائج نہ تھی بلکہ پوری دنیا اس لعنت کا شکار تھی جو رُخِ انسانیت پر ایک بدنما داغ تھی ۔ آپ سے قبل دنیا کے بڑے بڑے مفکرین جن میں ارسطو بھی شامل ہے غلامی کو سیاست، معاشرہ اور حکومت کے لئے ایک جزو لاینفک قرار دے چکے تھے، غلامی، یونانی اور رومن تہذیب کا ایک اہم حصہ تھی ۔ اس کے برعکس بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کی آزادی کو عظیم اخلاقی مروت قرار دیا ۔ انھوں نے اپنی حیات طیبہ میں بے شمار غلاموں کو آزاد کیا نیز آپ نے غلاموں کے مالکوں کو تنبیہ کی کہ ان سے ضرورت سے زیادہ کام نہ لیا جائے اور یہ بھی فرمایا کہ غلاموں کو ویسا ہی کھانا کھلاؤ جیسا تم خود کھاتے ہو اور ان کو لباس بھی ویسا ہی دو جیسا تم خود استعمال کرتے ہو ۔ آپ کی انقلاب آفریں تعلیم سے غلاموں کی حالت اس قدر سدھر گئی کہ انھیں معاشرے میں اہم حیثیت حاصل ہوگئی ۔ ان میں سے بعض نے بادشاہت اور سپہ سالاری کے منصب بھی پائے ۔ قرآن پاک کے متعدد مقامات پر غلاموں کی رہائی کی تاکید آئی ہے ۔ اسلام کی تعلیم یہ بھی ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر اور سیاہ کو سفید پر کوئی فوقیت نہیں ۔ سوائے نیک اور پرہیزگار عمل کے ۔ عدل ومساوات کے اس حکیمانہ اصول نے سرمایہ داری اور آقائیت کے بُت کو پاش پاش کر دیا ۔ اور غلاموں کے حقوق کا تعین ایک ایسی معتدل پالیسی کی بنیاد پر کیا جس کی وجہ سے ہر دو فریق کی شکائتیں مٹ گئیں ۔ اور کوئی فریق کسی کے دست ظلم وجور کا فریادی وشاکی نہ رہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی جرم پر جس قدر سزا ایک آزاد شخص کو دی جا سکتی ہے ۔ اس سے کم بلکہ نصف سزا غلام کو دی جائے ۔ غور وفکر کا مقام ہے کہ اس مظلوم طبقہ کے لئے رحمۃ اللعالمین کے پاس رحم وکرم کی کتنی فراوانی ہے ۔ آپ نے بندہ اور بندہ نواز کو ایک ہی صف

میں کھڑا کر دیا۔ یہ سب کچھ ساتویں صدی عیسوی میں ہوا۔ جب کہ اٹھارویں صدی تک۔ انگلستان فرانس، جرمنی، اسپین، اور ہالینڈ میں غلامی کا دور دورہ رہا اور اسے نوآبادیاتی نظام کے سہارے جاری رکھا گیا۔ جہاں غلام کی محنت کی ضرورت تھی۔ ان حالات میں اسلام کی فوقیت اور اس کی انسانیت نوازی میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

آج بھی دنیا میں نسلی فتنہ برپا ہے، پیلے رنگ، کالے رنگ اور سفید فام یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے دشمن اور ایک دوسرے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر اسلام کا اعلان یہ ہے کہ غیر اختیاری چیزیں جتنی بھی ہیں۔ چاہے وہ رنگ ہو یا نسل زبان ہو یا ملک ان میں سے کوئی چیز بھی افضلیت کا معیار اور پیمانہ امتیاز نہیں بن سکتی۔ بزرگی و برتری کا معیار تو صرف اختیاری وارادی چیز ایمان وعمل صالح ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے زیادہ پسندیدہ شخص وہ ہے جو زیادہ متقی اور صاحب کردار ہو۔ انسان اگر آج بھی اس معیار کو اپنا لے تو دنیا میں کہیں بھی قومی اور فرقہ وارانہ ہنگامے اور فساد باقی نہیں رہ سکتے بلکہ انفرادی جھگڑوں اور فتنوں کا وجود ختم ہو سکتا ہے .... اسلام نے عورت کے بارے میں بھی تمام شکوک وشبہات کو رفع کر دیا ہے۔ اور عورت کو مرد پر وہی حقوق حاصل ہیں جو مرد کو عورت پر حاصل ہیں درحقیقت یہ فرمان عورت کی حق شہریت کا سب سے بڑا اعلان تھا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ اسلام نے ہی بتایا کہ ماں کے پاؤں تلے جنت ہے آپ نے عورت کو اس وقت رفعت وعزت کا مقام بخشا جب اس کی حیثیت جانوروں سے بدتر تھی۔ بعثت نبوی سے قبل عورت کو ذلت وحقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ اسلام نے ہی بتلایا کہ عورت کا وجود تو راحت وسکینت کا مظہر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروط نکاحوں کی رسم یکسر بند کر دی۔ اور عورت کو اس کے قانونی حقوق عطاء کئے۔ اس وقت دنیا میں غیر محدود تعداد ازدواج کا دور دورہ تھا۔ مگر اسلام نے اس پر پابندی عائد کر دی۔ ہر چند اسلام میں طلاق کی اجازت ہے۔ لیکن وہاں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ تمام جائز امور میں سے سب سے بری چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ہے۔ کیونکہ یہ ازدواجی مسرت کی راہ میں رکاوٹ ہے اور اولاد کی صحیح تربیت میں مانع ہے۔ اسلام نے جہاں مرد کو طلاق کے حقوق دیئے ہیں۔ وہاں عورت کو بھی مناسب وجوہ کی بناء پر خلع کا حق دیا ہے۔ اسلام نے بیوہ کو نکاح ثانی کی اجازت دے کر

اسے محتاجی اور بے راہ روی سے بچا لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم رعایا کے جان و مال اور مذہب کی حفاظت کی مکمل ذمہ داری اٹھائی تھی اور کسی مقام پر بھی آپؐ نے ان کے حقوق و مفادات کو پامال ہونے نہیں دیا۔ فتح مکہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا۔ اور نجران کے عیسائیوں اور ہمسایہ حکومتوں سے کہا کہ ان کے جان و مال اور مذہب کے لئے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے پیغمبر کا وعدہ بالکل برحق ہے۔ حاضر و غائب سب بے فکر رہیں۔ ان کے عقیدے اور عبادات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی اور نہ ہی ان کے حقوق و مفادات میں کوئی تبدیلی کی جائے گی۔ قرآن پاک کا اعلان عام ہے لا اکراہ فی الدین۔ نیز کسی بشپ کو اس کے عہدہ سے، کسی راہب کو اس کی خانقاہ سے اور کسی پادری کو اس کے کلیسا سے علیحدہ نہیں کیا جائے گا۔ کسی پر کسی قسم کا ظلم روا نہیں ہوگا۔ نہ ان پر عشر نافذ ہوگا اور نہ ہی مجاہدین کی ضرورت کے لئے ان سے کسی چیز کا مطالبہ کیا جائے گا۔ کیا دنیا کی تاریخ اس حسن سلوک اور مذہبی رواداری کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے۔؟

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے محصور دشمن کے کسی عضو کو کاٹنے سے منع فرما دیا تھا۔ اور اسے وحشت و بربریت کے مترادف قرار دیا تھا۔ قیدیوں سے نرمی کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ سماجی طبقات میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے اسلام نے ذخیرہ اندوزی سے منع کر دیا۔ اسلامی قانون وراثت اجتماعی خیرات، زکوٰۃ اور انفرادی صدقات کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ معاشرہ میں دولت کی تقسیم مناسب اور منصفانہ ہو تاکہ دولت کی افراط و تفریط سے ایک دوسرے میں بُعد پیدا نہ ہو۔ دولت مند اسے اپنا فرض سمجھ کر دے اور غریب اپنا حق سمجھ کر لے۔ نہ دولت مند احسان جتلائے اور نہ غریب لینے میں عار محسوس کرے۔ ایسا نظام دنیا کا کوئی مذہب اور دنیا کا کوئی نظام پیش کرنے سے قاصر ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اس امر کی مظہر ہیں کہ قانون کی نگاہ میں تمام افراد مساوی ہیں۔ قرآن مجید کو سب احکام پر بالادستی حاصل ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضورؐ کو اپنی ذات کو بھی قصاص کے لئے پیش فرماتے دیکھا ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک فاطمہ نامی عورت چوری کے الزام میں پکڑی گئی۔ جرم ثابت ہو گیا۔ تو قریش کے باثر لوگوں نے ملزمہ کو بچانے کی کوشش کی۔ انھوں نے اسامہ بن زیدؓ کو سفارشی بنا کر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد دکھ ہوا آپؐ نے اس وقت یہ تاریخی الفاظ بیان فرمائے کہ تم سے پہلی امتیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ ادنیٰ طبقہ کا فرد، جرم

میں ماخوذ ہوتا تو اسے سزا دی جاتی لیکن خوشحال طبقہ کے مجرمین کو چھوڑ دیا جاتا۔ لیکن یاد رکھو۔ لو کان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا - اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالوں گا۔ بے لاگ انصاف کی ایسی مثالیں دنیا میں کم ہی ملیں گی۔

۱۰ ہجری کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن پایۂ تکمیل کو پہنچا اور یہ آیت نازل ہوئی الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا یعنی تکمیل شریعت اور اتمام نعمت کی نوید دی گئی اور پوری انسانیت کے لئے اسلام کو دین پسند فرمایا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی پورا عرب اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو چکا تھا۔ یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ مولانا حالی نے درست کہا ہے ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی ——— عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

انیسویں صدی کے مشہور یورپین شاعر لامرٹائن کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑا۔
اس قدر محدود وسائل کے ساتھ کسی دوسرے انسان نے انسانی طاقت سے زیادہ ذمہ داری قبول نہیں کی کیونکہ اتنے بڑے مقصد کے حصول کے لئے اپنے نصب العین کے تصور اور اسے عملی رنگ دینے کے لئے اس کے پاس سوائے اپنی ذات کے اور کوئی ذریعہ نہ تھا اور نہ ہی مٹھی بھر انسانوں کے سوا جو صحرا کے گوشے میں بس رہے تھے اسے اور کوئی طاقت حاصل نہ تھی دنیا میں کسی نے بھی اتنا عظیم اور مستقل انقلاب برپا نہیں کیا۔ آپ کی بعثت سے لے کر دو صدیوں میں اسلام نے اہل عرب کے دلوں اور تلواروں پر حکومت کی۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے انھوں نے ایران۔ خراسان۔ شمالی ہند شام، مصر، حبشہ اور شمالی افریقہ کے متعدد ممالک فتح کر لیے۔

فلاسفر، فصیح البیان۔ مقرر، مرسل۔ مقنن، جنگجو، بہادر، فاتح اور معقولات پر مبنی اعتقادات کے بحال کنندہ ایک ایسے مذہب کے لئے جو اصنام پرستی سے بے نیاز اور کوسوں دور ہے سلطنتوں کے بانی اور ایک عالمگیر روحانی و دینی مملکت کی بنا ڈالنے والے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ ان تمام معیارات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جن کی رو سے انسانی عظمت کو ناپا جا سکتا ہے یہ سوال جرأت کے ساتھ پوچھا جا سکتا ہے کہ آیا کوئی انسان آپ کی ذات سے عظیم تر قرار دیا جا سکتا ہے
اللہ تعالیٰ کی آپ پر کروڑوں رحمتیں ہوں۔ آمین۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا ایک ایک نقش تابندہ و تابناک ہے کس کس چیز کا تذکرہ کیا جائے اس کے لئے تو سینکڑوں دفتر درکار ہیں اس مختصر سے مضمون میں انھیں کس طرح سمیٹا جا سکتا ہے۔ ابتدائی معروضات کو یہیں ختم کیا جاتا ہے